

جُملہ حقوق محفوظ ہیں

علامہ اقبال

یعنی

علامہ مشرق ڈاکٹر سر محمد اقبال - ایم۔ اے۔ پی۔ یچ ڈی
کے متعلق چند عقیدت مندا نہ خیالات

از

مولوی سید محمد عبد الرشیدی فاضل و ادیب فاضل
ہبید مولوی ہمارا جہ کا لحیث ہائی سکول جے پور
باتہام کمرنگیں یا صن الدین عقیعہ

الیکٹرک ایوالی ای پریس گرہن

بِحَمْلِ حُقُوقِ مُحْفَوظَاهُنَّ

علامہ اقبال

یعنی

علامہ مشرق ڈاکٹر مسٹر محمد اقبال ایکھاے۔ پی۔ ایچ۔ دی کے
متعلق چند عقیدت مندا نہ خیال است

از
(مولوی) سید محمد عبدالرشید = مشی فاضل او سیفی فاضل

چینہ مولوی جما راجہ کا بجیٹ ہائی سکول جیپور

باہم اس = باضابعین عقیلہ

اسیکٹرک ایلوال علامی پریس گرہ ہر جھپڑا

س

ع۱۴

کے لئے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ایک وقت وہ تھا جبکہ مسلماؤں کے قیال کامرانی کا آفتاب نصف النہار تھا اور سن کے ہمارا حبِ کمال اسلام کے جھنڈے تلے جمع تھے۔ شیراز کی سرین نے سعدیٰ حافظ جیسی ہستیاں پیدا کر کے اپنا سر آسمان پر پہنچی اگرچہ میں نظامی درجہ میں جامی تھے دید بہ خسری ٹھیک کر کے اپنے خداوند سخن ہو نیکو منوایا۔ طوس کی قسمت جامی کہ اسکی فردوسی پیدا ہوا اور ہندستان کے پھاگ ٹھکے کہ اسمیں خسر وہ اور پھیپھی جیسی ہستیوں نے جنم لیا۔ لیکن زبانہ کے ظالم ہاتھوں نے آخر دہ بسا طاویلہ دی اور اس پیمان تکن آسمان نے ہ پیمانہ توڑ دیا۔ بعد کل ختم ہو دلوں کی ساز جمیں۔ اُڑ کئے ڈالیوں سے زمزمه پیدا رہیں۔ لیکن ہندستان کو اپنی قسمت پر ناگزیر ناچاہتی ہے کہ وہ ایران سے زیادہ خوش نصیب ثابت ہوا۔ اسٹے کہ یہاں پھر ایک آواز سنائی دیتی ہے دہیٰ داڑ جو کسی وقت اسکے درود لوار سے علکرا کر آسمان تک ہو ٹکٹکی تھی آج ایک اور ہی اس بدلی اختیار کر کے افسر دلوں پر شکافتگی اور مرد دلوں کو زندگی کے سامان بھم پہنچا رہی ہے۔ آفتاب ہمارے اسلاف کی نشانی ہماری عظمت پاریتی کی یادگار۔ نہیں نہیں ہماری گذشتہ اقبال نہیں و خوش نصیبی کا آئینہ۔ ایسا آئینہ جس میں ہ تسلیں نظر آتی ہیں جن پر یہی اسلام کو ناز تھا۔ آج مسلماؤں کی شان و شریکت کی یادگار کا ستارہ بنکرا فق مشرق پر چکل ہے۔ اس شیخ عبد القادر صاحب سلکیتے ہیں اگر یہ سماں مکانی متوتاً و ضرور کرتا کہ مرزا سعدیہ خاں عالیٰ کوارڈ فارسی شاعری سے جو عشق تھا اس نے انہی روح کو عدم میں جا کر بھی چین نہیں لیتھے دیا اور مجبو کیا کہ پھر کسی جمد خاکی میں جلوہ افریز ہو کر شاعری کے چمن کی آبیاری کرے اور اس نے پنجاب کے ایک گوشه میں جسے یا لکوٹ کہتے ہیں ددبارہ جنم دی اور محمد اقبال نام پایا۔

مکن ہے شیخ صاحب کا خیال بھائے خود صحیح ہو گا میر اپنا عقیدہ یہ ہو کہ: می شاعری
جن نے چھٹی صدی ہجری میں مطلق العنوان اور سکش بادشاہوں کی نزدیکی کو مٹانے اسکے متر趾 تو
خدائے واحد کی یوکھٹ پر جو گلائے اور عامتہ الناس کی بیڑا ہر دی کی صلاح کرنیکہ مشن اپنے زمانے
لیا تھا آج مسلمانوں کی حالت پر رحم کر کے خدا تعالیٰ نے اقبال کو دلیعت فرمائی
ہے کہ اس کے ذریعے اس خفتہ قوم کو بیدار کرے = باہم درا بنتک بانگ درا ہی
اگر قافلہ دالوں میں کچھ بھی زندگی کے آثار ہو جوہ ہس تو اس آواز کے سہارے نزل پر
پہنچنا مکن ہے۔ اقبال نے ایک جگہ شاعر کو منی طلب کر کے کہا ہے

ہے اگر ہاتھوں میں تیر خامہ مجرم فیم شیشہ دل ہے اگر ترا مشاہِ حب ام حب
پاک سکھ اپنی زبان تلمیذِ حماں کرو ہونہ جائے دیکھنا تیری صدایے ابرد
کرنے دالوں کو بکھاری شعر کے اعجاز سے خرمن باطل جلاۓ شملہ آواز سے
ایسا ہی ایک جگہ پیامِ مشرق میں کہا ہے ۵

زمن اشاعرِ نگین بیان گو چہ سو داز سوز اگر چوں لا لم سوزی
نہ خود راجی گداز سُلْش نخویش نہ شام در دمندے بر فرد زی
گر اقبال کا زیادہ تر کلام فارسی میں اور وہ بھی فلسفیانہ زندگ میں ہے اس لئے اکثر وہ
بیشتر لوگ اس حقیقت سے بیخبر ہیں اور صرف آنسا جانتے ہیں کہ وہ ایک شاعر ہے اور وہ بھرپور
شاعری کا علمبردار لیکن جو کچھ اقبال ہے وہ بہت کم جانتے ہیں جیسا کہ خیام کی سہیت
اہلِ مشرق کو یہی معلوم تھا کہ وہ ایک شاعر ہے اور رباعی کا مستاد۔ مگر جب اہل یورپ
کی عقابی نظر لئے اس کی وہ تصنیفیت دریافت کر لیں جن کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ
جو وہ علوم کا ماہر دبا کمال اتنا دنخا اور باعثاں مخفی تفسیر طبع یا انطہار جذبات کے لئے
کہہ لیا کرتا تھا۔ تو مشرق دالوں کی آنکھیں کھل گئیں اور چار دن اچار ماہنامہ اڑاکہ درحقیقت حیا
بڑی شخصیت کا آدمی تھا۔

بھی مکالمہ آج اقبال کیسا تھا ہے۔ دوسری کی فہرست اپنیں جب کہ خود مسلمان
جن کا نہ دوہ از لیستے ابھیت ساختہ نا یاد ہے، اس کو جھوٹ ایک شاعر شمعتے ہیں بلکہ بحیچے
تو اس انتشار ہے بھی جلیسا کہ اس کو تمہارا چاہئے تھا انہیں سمجھا گیا شاید ٹیکوڑی کی
شمعت اقبال سے کہیں زیاد دیکھے حالاً تکہ جیتی جمیت ہے جبے پہنچت خاک را باعالم کا
ٹیکوڑی تکہ دنارا سکے ایک خاص ہو فنوں تک مجھ دیکھے۔ یعنی اس کے قدرت کے دوہ
والقہر ہے صفا قلہ جہنم سکون خاموشی کی شان پائی جاتی ہے نہایت دلکش پیرا یہ میں کہا
ہیں اور لیں۔ جو نکھلے ہے ایک عرضہ ہوا اس نہست کو اپنی پر صیحان زندگی کے نذر
کر جو کہا اس نہست اس نے تسلیم کیا کہ یہ وہی چیز ہے جو کبھی ہماری زندگی کا سامان
بھی اور ہیکوہ ہماری رسمی معاشرت کا ترجمان ہے۔ اور اس شہرت کے اباب اس کی
قسم نے پیدا کیے۔ مگر اقبال نے ۱۵ صہول یاد دلائے ہیں جن پر ہمارے عرض و القا
کی بغاہ میں قائم کی کمی تھیں اور جواب بھی سورج کمال پر پہنچا سکتے ہیں بشرطیکہ ہمان
کل پیرا کوں نکھلے اسکے سکھے پچھو تھیں کیا۔ اس کا بخراں کے اور کہا سبب ہو سکتا ہے
کہ تو میں سے مردم شناسی کا مادہ آکھ گیا اور قابلیت و استعداد دیوالیہ ہر چیز بھی جلیسا کہ
خود اقبال محسوس کرتا ہے۔

عمر خون اندر اسرار نہیت یوسف من پیرا میں بازار نہیت
فلزم یاراں چو شہر نہیم بخروش بجلیم من مثل طوقان یکم پد و شش
نہیم من از جهان در بگراست ایں جرس را کارداں دیگر است
اقبال کی ایک نظم شمع و شاخڑ ہے جسیں مکالمہ کے طور پر اول شاعر نے شمع سے
بچھ سوا لائندہ کئے ہیں۔ اس کے بعد شمع نے جواب دیا ہے کہ۔

نہا جنہیں ذریع کا شارہ نو خستہ ٹوکریں ساسکا بتو دند دیدار عاصم آیا تو کیا
اچھیں تو وہ پوری شمع ایسا شام کھو گئے ساتھا محفل میں تو آتش بحاصم کیا تو کیا

آہ جس بگلشن کی چھپت پر لشائی گئی
بچوں کو باد بزاری کا پیام آیا تو گیا
آخری شب پیدکے فابل تھی سبل کی تربیت
صحر میں کوئی اگر بالائے باہم کیا تو کیا
بچوں بے روزا ہیں تو گرم نواہ ہو یا نہیں
کاروان جے تھر ہجڑ آ دا نور دراہی یا نہیں
غرض مکہ اقبال نے شمع کی زبانی فصل دہشت کی کساد بازاری کا شکوہ نہایت پیرا قراطہ ناہیں
کون ہے جو نیضی کی جا معیت ہے گیری کا معتز و انبیاء مگر خالی اسکو ہم الی مشرق کی
ڈہنیت کا اندازہ ہو گیا تھا اسٹے امر نے اس خوف سے کہ مہادا مجھے بھی توک شان میخ پس سمجھ کر
اس مرتبہ سے گردیں جس کا میں از رد سے کلالات سختی ہوں نل دسیں میں ایک بیکہ نہایت پر
الفااظ میں کما ہو

امر و زندہ شاعر ہم حسین کیم داندہ ہادستہ و تقدیم
اسکے بعد مخفی ہی کہ ایک حکیم ایسی طبیعت کی اصطافت و ہم گیری کے سبب سے سائل گفتہ
شاعری کے رنگ میں بیان کر سکتا ہے کہ اس سے دو مسائل آسمان میں ہو چکے ہیں اور دلنشیں یعنی
گر ایکہ شاعر جو علم فنا و حکمت سے قطعاً معرفہ ہے حکیم نہیں ہو سکتا تو ادکنا ہی احکام پایہ کو
شاعر کیوں ہو یہ علم وہ ہو جو نفس انسانی کو کمال تک پہنچایا۔ نیکے لئے احوال ہو جو داست کو
بقدر طاقت بشری کمابی بخی جلتے اور اپر عمل کری۔ اقبال نے بھی ایکہ حکیم اسرار خود میں ہیں کہ
کم نظر بنتا ہی حسباً تم دید ہے شکار م دید د پہنچا تم دید
آشنا سے من زم بیگانہ فرت از خستا تم لئی پیمانہ رفت
او حدیث دلبری خواہ زم زنگ آپ شاعری خواہ زم
من شکوہ خستی او را دا تم تختت کسرے پر سپکے او نم

چشمکھی جیوال برا تم کردہ اند خرم رازہ بھیا تم کردہ اند
بیچکس رازیکہ من گوئیم نگفت بمحظی کھر من و معنی نہ سفت

مغلیش جادوں خواہی بیا ہم زمیں کہم آسمان خواہی بیا

دیکھئے۔ مکتب اور بوستان کی تعلیم اور مکتب کی شروع ہوئی۔ لیکن رفتہ رفتہ جہاں تک لوگ نکلتے گئے اور ان کتابوں کی حقیقت معلوم ہوتی گئی اسکی قبولیت اور ہر لمعزیز ہی میں اضافہ ہوتا رہا جاتا تک کایک وقت ایسا آیا کہ کتابیں آجیں سلطنت میں داخل ہو گئیں اور یادشاہیوں کے ان کو اپنا دستیار بھل بنالیا۔ اور اس وقت حقیقی مشہور نہ بانیں دنیا میں بولی جاتی ہیں کہ وہ بیش اُن سب میں انکا ترجمہ ہو چکا ہے یہی مشنوی معنوی کا حال ہو۔ مولانا عبد الماجد صاحب نصیق الطیریں لکھا ہو کہ ”مولانا کے رومنی تے تو ربان شعر کو الماجی بنادیا“ مزرا احسان احمد لکھتے ہیں کہ ”مشنوی مولوی رومن بخط اہر ہند فرضی افسانوں کا مجموعہ معلوم ہوتی ہے چنانچہ عام طور پر عظیں اور علماء محض گرمی محفل کے لئے اسکے اشعار پڑھتے ہیں۔ لیکن یہی کسکو معلوم تھا کہ انہیں افسانوں میں علم کلام کے اسرار و معارف بھی پہنچا ہیں یہ علامہ شبیلی کا فلسفیانہ دماغ تھا جس سے انہیں حکایتوں سے ایک مستقل علم کلام مرتقب کیا بلکہ مشنوی کے تھے تو یہاں تک کہہ یا کہ مشنوی مولوی معنوی + سہست قرآن در ربان پھلوی

میرا منتشر ہو کہ آیا ان مقدس ہستیوں کے لئے ایک شاعر کا لفظ موجب فخر ہو سکتا ہو رہا کیا بوستان اور مشنوی معنوی کیلئے شاعری کے چیخوارے یعنی کیلئے لکھی گئیں تھیں۔ ہرگز نہیں ان زرگوں کا کام شاعری نہ تھا بلکہ خود مولانا کے رومن فرمائے ہیں۔ من نہ انم قاعلات فاعلات ایک گوہم شعروں آ بحیات = بلکہ ان کا کام بنی نوع انسان کی قیصالح اور خدا کا راستہ تھا ان تھا جسکو تو مت سے فعل میں لا سمجھے۔ لئے شعر کی قوت تاثیر کو بہتر کار آمد سمجھا اس لئے ان لوگوں کو ایک شاعر کی تدبیث سے ماننا اور اس عمل مقصد یہ غایت کو نظر انداز کر دینا جو اس شاعری کے اندر پوشیدہ آزادیات کی نمائش ہو کہ ہم حقیقت اور حیاز میں میر کریمی قابیت دستیود نہیں رکھتے۔ ہی طرح قیامت کو بھی نرا شاعر سمجھ لینا اپنی انتہائی کم نظری کا انظمار کرنا ہے۔

میں اقبال کے کلام میں سے چند ایک مثالیں دیکھا بات کو واضح کرنے کی کوشش کردیا کہ اقبال کی چند

زمانہ میں نہ ہموفت مسلمانوں کو بلکہ تمام ایشیا کو کوئی قدر ضرور نہ تھا ہے
 (۱۱) اقبال کے کلام کا محتد بھائیہ جس میں اُس نے چھٹ کہ سنش کی آنیا وہی اور بتایا کہ
 کہ مصیبہت اور تکلیفِ محض اعتماد ارت ہیں بلکہ اگر غور سے شبیہت تو یہی وہ چیز ہیں جو انسان کی
 تکمیل کی تقاضے دوام کا یا عحد ہوتی ہیں۔

مبارکہ پر صاحل کہ آج تباہ
 نوں سے زندگانی فرم خیر است
 بذریا خلطا و با موختی در آفرین
 حیات جاوداں اند راستیں پرست
 اقبال نے اسی خیال کو زیادہ و اصلاح اور سو شربنا نیکے لئے دو ہر نوں کا مرکالم نظم کیا ہے جو لافت
 خالی نہیں۔

پہلا ہرن - اے یار علگسار امیں ان شکاریوں کی عاجزگی کیا ہوں اور جاہتا ہوں کہ جنم میں جا کر
 اسلئے کہ جس نہیں ہر لحظہ شکاری کا آند لیشید تھا ہی جس سے ہماری زندگی نہایت بے لطفی سی ہے زندگی
 دوسرہ ہرن - اے یار خردمند ایسا سب کچھ سبھی لیکھنی اگر دنیا میں زندگی رہتا چاہتے ہو تو خود
 خطرہ میں زندگی بصر کرو - اور لموار کی طرح جو سان ایسا یہ کہیں سے زیادہ تیز ہوئی ہے مصیبہت اور
 تکلیف میں رہکر اپنے آپ کو سچتہ اور کامل بناؤ - اسلئے کہ مصائب الام ایک قسم کا اختیار
 اور خوف و خطرہ پر دوں کے جو سرکھلتے ہیں۔

غزوے پاغڑ اے در دل گفت ازیں پس فرحوم گیرم کنائے
 بصر اصید بندان رکیں اند
 بکام آہوال صحیح نہ شناسے
 اماں از فتنہ صیاد خواہم
 رفیقش گفت اے یار خردمند
 اگر خواہ کر دیات انہ رختر زمی
 دماد من خو لیشتن را فرسان ن
 خطرتاب تو ای رامتحان ہت
 ملایا ہے کہ عیش و حشرت کی زندگی جو فی الحقيقة تو اے عمل بیکار و منفاوح بغا

سہے دنیا بھر کی خوبیت اور نعمتی کا پیش خیمہ بلکہ موت کا پیغام ہو۔ اگر انسان کو حیات ابدی کی تلاش ہو اور نام و نبود کی مسائلوں پر آپ کو محنت و ریاضت کے ندر کر دیتا چاہئے اور مصائب و آلام کا جو ترقی کی راہ میں ہائل ہوں میں سیر ہو کر متقلہ بلکہ کرتا چاہئے اگر ایسا نہیں کر سکتا تو اسکو کوئی حق نہیں کہ وہ اپنی قسمت کا شکور بان پر لائے اور فطرت کو جو لوٹ کناہ سے پاک ہے خطدادار بھیرائے۔

ایک جگہ زندگی کی تعریف استطرح کی ہے

پرسید ہماز زندگانی کی تلحیح تراو نکو ترست
لیعنی میں سے بیکار کاں سے یو یونکہ زندگی کیا چیز ہو کہ ۱۹۱۳ءی سے جو اپنے دیا کم ایکہ شراب کی ایسی
شراب کہ جس قدر تلحیح ہوئی ہے اسی قدر زیادہ اچھی ہوئی ہے۔

ایک جگہ یہ بتایا ہے کہ خونتاد اندیشہ سے ہر انسان کا ہم مشکل اور سہمت استھان کے آئے
مشکل سے مشکل کا ہم بھی آسات ہو جاتا ہے۔

دل بیباک را ہتر نامہ ریگ است دل ترستہ را آہو پتیگ است

اگر شیخے مداری بھر تھرا است اگر ترسی بھر موجش بھگ است
ایک جگہ کہا ہو کہ یہ انتہ اسیتہ تماں ایک دفعہ شمع پر شمار کر کے زندگی کی کشاکش سے نجات
حاصل کر لیتا ہو کہ میرے نزدیک یہہ بیمح سہے۔ میں تو اس پردازہ کو پردازہ جانہا ہوں جیکی جان
سخت کوں اور علمہ نوش ہے لیعنی زندہ رہے اور تکھا لیفٹ کو پرداشت کرے۔

بھل فساد آں پا چر لاغے حدیث سورا درزار کوش است

من آں پردازہ را پردازہ دام کہ جالش سخت کوش و شعلہ نوش مشش
(۲) اقبال کے نزدیک مکون کا نام موت ہو لیعنی انسان کو ایک حالت پر نہیں رہنا چاہئے بلکہ کو
دکاوش سے اپنا آج کھل سے اور کھل آج سے بہتر بنانا چاہئے۔ اس لئے کہ اس چین زار کی
کائنات میں امکان مستقبل موجود ہے۔

دِمَادِمْ نَقْشَهَا سَعَيْتَ تَازَّه رِزْقَه
اگر امرِ فَذْ تُوْلِصُوْغِيْر دِشْهَتَ

ایک جگہ پایامِ مشرق میں کہا ہو کہ جب طرحِ محوج جب تک قائم ہو جسیج دناب میں ہو اور جسیج دناب
بعد اسی محوج بھی نہیں معلوم ہوا کہ بنج دناب اور سبقِ ری ہی کا نامِ محوج ہے اسی طرح انسانی حیات
اُسکی تگہ دنار زادِ سکون نا آشنا رہتی ہے میں ہے کہ راحبتِ علیق اور تن آسانی ہے۔

چہ پر سی از کجا یم چیستم من بخود پیچیدہ اهم تاز لیستم من
دریں در پا یو محوج بے قرار ام اگر پر خود نہ پیچم شیستم من

ایک جگہ کہا ہو کہ زندگی اور اس کا لطف حرکت میں ہو اور چونکہ میر اس راستے واقف ہو
اسلئے صحیح سفر میں وہ ہزا آتا ہو کہ منزلِ بھی تگ راہ کی طرح ناگوار معلوم ہوتی ہو دھپٹا ہی ہتا
ہوں مگر از مدعا سے زندگانی ترا بر شلوہ ہائے اذکر نہیں
من از ددق سفر آنکو نہیں میتم کہ منزل پیش میں پیغمبر نگر روتی

ایک جگہ دو شعروں میں اس خیال کو کقدر بلایغ پر ایسیں بیان کیا ہو کہ ساصل لمحہ جو یا کل جا ادا
ساکن ہوتا ہو محوج سے کہا کہ اگر چہ میں نے ایک دراز عمر پافی ہو لیکن یہاں اب تک معلوم نکر سکا کہ میں
کیا ہوں محوج نے جو سائن رہتا ہی نہیں جانتی نہایت تیزی سے بیل کر کھا کے اے ساصل!
میری حقیقت تو صحیح معلوم ہو گئی اور دد یہ ہو کہ اگر میں حرکت میں مول تو زندہ ہوں ورنہ
پیغمبر بھی نہیں۔

(۳) اقبال عمل جحد کیسا تھو علم کا ہوتا لازم سمجھتا ہے۔

زندگی حمدت و اتحاق نیست جتنے بعلم الفن و آفاق نیست

گفت حکمت را خدا خیر کشیر ہر کجا ایں خیر را بدینی پا میر میں
یعنی زندگی کسی قوم کا حمد نہیں بلکہ جو تو میں زور علم سے آراستہ اور محنت کی خوگر ہوں انہیں کو دنیا
رہنے کا حق حاصل ہے۔ علم کی اہمیت کو واضح کریں گے میں ایک نہایت عمدہ دلیل پیش کی ہے۔ کہ

سید کل صاحب ام الکتاب پر دیکھا بر تھم پیرش بمحاب
گرچہ عین ذات ایسے پڑھیں میں زدنی از زبان اوپنید

دنیا کی تمام ترقی باقیت قویں ایات پرتفوت ہیں کہ تعلیم کے اندر ہی دینی دد نوی ترقی کا راز مضمون
جس قوم میں جھالت کے اثنار پیدا ہوئے سمجھ لینا چاہئے کہ وہ قوم صفحیہ ہستی پر مجذوبی کی ہے اسی
زمانہ بہت بحدائقش باطل کی طرح اسکو جنم کر خدا کی زمین کو اسکے وجود سے یا کر دیکھا۔ انہر کیا دریوری پر
اس حقیقت کا اچھی طرح انکشاف ہو گیا اسکی وجہ سے کہ ان عناصر بین تعلیم کی وہ گرم بازاری ہے کہ
آج ہماری پڑھ علم ایسا ہے کہیا ہے جیسا ہے میانہیں تعلیم باقیت = اسلام نے نیڑہ سو برس پہلے یہی
تعلیم دی تھی اور حصول علم کو ہر مسلمان ہر زادعورت پر فرض کر دیا تھا اور ہماری تک زد دیا کہ
حکمت کو اک اگم شدہ لالی سمجھو جہاں پادا پنا اسے مال سمجھو

اقبال کہتا ہے کہ - علم و دولت نظم کا رہنمائی + علم و دولت اعتماد رہنمائی
مگر موجودہ راستہ میں جہاں تعلیم کا دور دورہ ہو دہاں اخلاقی اور سیاسی اخلاقی تعلیم کا پیغمبر سے خاتمه کی
حالانکہ اخلاقی اور دہ اخلاقی تعلیم کی بنیاد میں خلوص سچائی اور ایثار پر فاصلہ کی کسی ہوں نظر ام
تالم اور اصلاح کا رکھیلے ناگزیر ہے۔ اقبال کا دل اس تعلیمی کمزوری اور خراں کو کبونکر جو سوہ
نکرتا اس نے محسوس کیا اور ایت زیادہ محسوس کیا = وہ تعلیم کو برا نہیں کہا بلکہ اسکے نزدیک
قدیم اسلامی تعلیم سے بسیار سی اور موجودہ تعلیم میں شفعت ایسی حالت ہے کہ اس سے خلاف
کی اصلاح نہ اپنی اعتدالت اوقات دگر رہی کا موجب صہجے۔

اہل دور میں تعلیم ہے امر ارض رہنمائی دا ہو خون قارڈ کی تعلیم مثل نیشن
رہنمائی کے یا سو ہو اک تعلیم کا سودا مجھے دا جب ہو اک سو اگر دیر تعلیم فرمان خیضر
لیکن نگاہ نکتہ بیں دیکھنے رونجئی مری رفتہ کہ خارز یا کشم ختم نہماں خدا زیر
یک لمحظہ غاہل گشتہم و صدالہ را ہم دو روشن
اقبال نے مدہب کے عنوان سے ہزار ابیدل کے سور پر فہمیں کی ہی جگہ کامفا یہی کہ

فاسقہ مغرب کی تعلیم ہر کو جو لوگ سستی غائب (خدا) کی تلاش میں ہیں وہ نادان ہیں۔ اور اس سفے
کی روشنی سے شیخ اور برہمن دو قوم صنم ختم تراش ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ برہمن کا پیکر معین خلاصہ
اویشن کا فرضی اور غائب اقبال کا ہے کہ ان علومِ حدیدہ سے جنگی بیان محسوس و مرنی اتنا ہے
ہر کو عقائدِ مرمی کا شیشہ باش پاٹ رکھ کر دیلوں کے اس تعلیم کی روشنی میں جتوں میں کوئی فرق
نہیں گرے فلسفہ تیات اور رکی کچھ کہتا رہے۔ اور مجھ پر ایک مرثیہ کامل نے اس اڑکو سطح فاش کیا ہے

باہر کمال انہ کے آشفتگی خوش است ہر جپ عقل کل شدہ سے جنوں مباش

تعلیم پیر فلسفہ انغری سے ہے یہ نادان ہیں جنکو سستی غائب کی ہی تلاش
پیکر اگر لنظر سے نہ آتا تو کیا

سے شیخ بھائیل برہمن صنم ختم تراش اس سوں پر بنا ہے علومِ جدید کی
اس دو بیانات شدید تفاہ کا پاٹ پاٹ

ندہبہ، ہو جس کی نامہ دیوالی جہنون خام

بہجت سے آدمی سے تخلیل کو انتعاش باہر کمال انہ کے آشفتگی خوش است ہر جپ عقل کل شدہ سے جنوں مباش کے

اقبال نے ایک نظم فردوس میں ایک مکالمہ کے عنوان سے لکھی ہے جس کا حصل ہے کہ
ایک درست غلبی نے مخدوست کماکہ جو قوتِ عالمِ مرحوم فردوس میں پہنچ تو سودی علیمیہ المحمدیہ نے ان
سے مخاطب ہو کر کماکہ

اسے آنکہ زور گھر نقلم فلک تاپ دامن پیغام مدد اختر زدہ باز

پیچہ کیفیت مسلم ہندہ می تو بیان کر دامدہ منزلہ کے مشرف نگہ تاز

ندہبہ کی حرارت بھی ہو کچھ اسکی کوئی نہیں تھی جسکی فلکِ سورہ ہی گرمی آدائز

عالمی مرحوم بیان بالوں کا بستے نیادہ اثر ہوا اور روک عرب غنی کرنے لگے کہ لے سہا اسی اوقت
ماہیہ اور دہلام۔ جب پیر فلک نے ذوقِ یام کا اٹا آئی ایہ صد پاؤ کے تعلیم کو عزرا

دین زخمہ پیغامت ملت کا رسان

بنیاد لرز جائے جو دیوار پین ظاہر کے انجام گھنستان کے ہو آغاز

دیت ہو تو مقاصد میں بھی پیدا ہو بلطفہ گی
 فاطرہ ہو جو الدینی زمین کیزے میں تاز
 پانی نہ ملا ز مردم ملت سے جو اس کو
 پیدا ہوئی تھی پودیں الحااد کے انداز
 پھر عرض کیا کہ یا حضرت امیرے دل تھے مجبوگ کیا سلسلہ میں سے آپ سے عرض کردیا ہکی مکار کیہی شاہ
 پتھر کے حصہ میں اسکی ذکر نہ کردیا وہ زندگی مسلمان مجھے خیاڑ کہیں گے۔ اپنے حواب ملا
 خرماں تو اس یافت ازاں خارک کہ شیخیم
 دیسا نتوار باقت ازاں لشکم کہ رشتیم
 اسی تصریح معاشرتی کے شعر ترقی میں کی ہے اور موجودہ تعلیم کے مذاق صحیح کو بیان کیا ہے۔
 خوش توہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سیکر
 لب خداں سکنکلیجا جانی تر کی فیر پا دیجی کہ
 کیا خبر تھی کہ جیلا آئیکا ایاد بھی ساختہ
 تھیکہ آئی ہے مگر تیشہ فرماد بھی ساختہ
 تخم دیکر بھت آر کھم دیکھار کھم تر تو
 (۳) اسکے بعد اقبال کی نایاں خصوصیت اسکی وسیع المشریقی ہے: وہ تمام بُنی نوع انسان
 محبت کرتا ہوا درجاء تھا ہو کہ اس کی پیغام، عالمیگیر اشناخت حاصل کر کے تمام اقوام کو ایک برادری
 بنادے اور اس طرح ایک اور ہی دنیا قائم ہو جائے جسیں صرف محبت مسادات کی حکومت ہو
 اقبال کے توہید کا فرزند اور اس تدریس کا علاقہ پاؤ ش ہے جسکی تحلیم ہے التخلق عبیال نہ
 داحب الخلق اسے اللہ من احسنت اسے عبا الہ سے یعنی
 یہ پہلا سبق تھا کہا بہرا کا کہ ہے ساری مخلوق لکھنے خدا کا
 دہی دوست ہے غالی دوسرا کا مخلوق سے ہو جسکو ہر شتر و لا کا
 یہی اسی عبادت ہی دین، دیکھا کو کام آئے دنیا میں انسان کے نسا
 پھرہ انتیاز ملت قوم احمد پا اور فرقہ بہدی کو کیونکر گوارا کرنا۔ جیسا کہ وہ کہتا ہے
 اس سب اڑا ہکی میری ملت آئیت قدموں کو
 سے اہل طون کے دلمیں کیچھ فکر طوں بھی کہ
 بستہ رنگی خدمتیت ہو میری زبان
 نوع انسان قوم ہو میری طوں برجوان

نیا شوالہ۔ اقبال کی ایک پرائی اور مشہور نظم ہے۔ اس میں اسی دحدوت وال تھاق کے خیال کو
پر بھمن سے تنخاطب ہو کر کشفہ رخواجہورت اور دلادین پسرا یہ میں بیان کیا ہے۔
آمل کے غیر بیت کے پردہ مکو بھر آٹھا دیں بھر چڑیں کوچھر ملا دیں نقش دلی مٹا دیں
سوئی پیڑی ہوئی ہو دست دل کی بیتی آں نیا شوالہ اس دیس میں بنادیں
ہر چھتیں آٹھ کے کامیں ختم رہ میں میں میں
شکتیں بھی شانتی طلبی بھلتوں کے بیتیں میں
اقبال نے نید کی لوح تربت کے عنوان سے ایک نظم لکھی ہے جس میں یہ مرحوم کی زبانی شناسی کے
دانے فرقہ بندی کے لئے اینی زبان
و صل سے اس بارہ پیر اموں تری تحریر
بلکہ اقبال بھی نوع انسان سے ہستہ دی کرتے بیان چیزیں سے بھی ہستہ دی کرئے بلکہ اسے
لے اسکے نزدیک حجتیقت ایک ہو ہرستے کی نوری ہو کہ ناری ہو اونور شد کا ٹیکے اگر ذرہ کا دل چپڑا
وہ کھڑا ہو۔ صدیہ آجائے ہوا سے کھل کی تی کو اگر اشک بنکر پیری آنکھوں سے ٹیک جائے اثر
ایک جگہ پیام مشرق میں کیا خوب نہ مانتے۔

ہنوز انہ مدد آپ دنگل نہ رستی تو گوئی ردی دلفتا نہ ممن
من اول آدم بے زمگ بولیم ازان پس ہندی دبورا نیم من

(۵) اقبال نے اتحادِ نفس پر زندہ بیاردا در بتایا ہے کہ انسان کی مکروہی اسکی حقيقة ناشائستی کی
اگر انسان کو پتے علومِ ربہ کمال ذاتی کا علم ہو جائے تو پھر کوئی کام اسکے لئے مشکل نہیں
اگر آگاہی از کیف دکم خویش پتے تعیر کرن از شستے خویش
دلادیو زدہ مہتا سے تاکے دیکھ شسب خود را برافر دا زدم خویش
ضمیر کرن نکال نیز از تو کس غمیت نشان با نشان غیر از تو کس غمیت
قدم بیباک نزنه در رہ نریست بہ پختا ہے جہاں خیر از تو کس غمیت

بجان رنگ دبو فہمید نی ہست دریں دادی بے کھل چیدی نی ہست
 وے چشم از دروں خود نہ بندی کم در جان تو چیرے دیدی نی ہست
 ۶۷) علم نسیات کا عالم ابادت کو اچھی طرح جانتا ہے کہ فرد واحد کا وجود ایک اعتباری شری
 مگر چند افراد ملکر ایک جماعت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں تو انہی قوت انکا رقرار دران کا اعتبا
 کشیدہ بڑھ جاتا ہو۔ غرض کہ جماعت قوم کو بڑی طاقت حاصل ہو اور فرد کی جماعت سے علیحدگی کوئی
 وقوع نہیں اقبال نے ربط ملت کے سلسلہ میں ابادت کو واضح کر دیا ہے کہ کسی قوم کا اعتبار فاقہ میں
 ہو سکتا چلتا کہ اسکے افراد میں وعدت خیال وحدت عقائد و وحدت مقاصد کے ذریعہ ربط
 اتحاد پیدا ہو جائے اور مسلمانوں کا ایک مرکز دادا کی مقاصد ہو اور وہ ان کا مذہب ہے ۵

قوم مذہبی ہو مذہب جو نہیں تم بھی نہیں جذب بلکہ ہم جو نہیں تھم بھی نہیں
 فرد فاکم ربط ملت سو سے تھنا کچھ نہیں سوچ کر دریا میں اور بیرون دریا یہ نہیں
 تو اے کوک منش فیدرا ادب کن مسلمان زادہ ترک لشپ کن
 بر تک اجمرو خوت درگہ پوست عرب ناز داگر ترک عرب کن
 نہ انفایم و نے ترک و ستاریم چمن زادیم وا زیک شاخاریم
 تمیز رنگ دبو پر ما حرام است کہ ما پر وردہ یک تو باریم
 آبرد باقی تری ملت کی جمعیت سے تھی جب یہ جمیعت کسی دنیا سے رسولوں ہوا
 مگر ہم نے اس دور میں مغربی تعلیم دھڑ معاشرت سے متاثر ہو کر مذہب کو خیر یاد کر دیا۔ اور یہ
 سمجھ لیا کہ جس کا میاںی دتری اسی قوم کا حصہ ہو جسکے یہیں قسم کے مادی اباد موجود ہوں اور جتنی
 عورتیں بے نقاب ہو کر مرد نکے دوش پددش کام کریں اور جن کا کوئی مذہب نہیں اور اگر ہو تو
 پالٹیکس سیاسیات اور ملوکیت مگر اقبال کشیدہ دلنشیں پرایہ میں سمجھاتا ہے۔ کہ:-
 ای ملت یہ قیاس اقوام مغرب سے نکر خاص ہو کر کیس میں قوم بول ہائشی
 اسی جمیعت کا ہر لکھ ملت یہ احصار قوت مذہبی مسٹر ہی جمیعت نیری

داسن میں ملے سو جھوٹا تو جمعیت کمال اور جمیعتا ہوئی خصت تو ملت بھی گئی۔
 (۷) اقبال مسلمان کو آزادا دہلی مسلمانی کو حضرت سے تعبیر کرتا ہے۔ اسکی تعلیم ہے کہ مسلمان کو خیال قول
 اور عمل میں غرض کے سہ طرح اپنے آپ کو ازاں مجھنا چاہتے۔ اور ما سوا بعد مسلمان بندہ نیست پیش فر عو
 سرش انگنہ نیست پر نبیین کامل لکھتے ہوئے اس معیود حقیقی کے سوا کسی کو اپنا آتنا اور جنخانہ من غنا تا چائے
 بندگی میں گھٹ کے رحماتی ہوں اک ویکم آپ اور آزادی میں بھربکریان سے زندگی
 صفر دھرستے باطل کو مٹایا رہمئے نوع انسان کو علماء سے چھڑایا ہمئے

اقبال کا خیال ہوا در خیال کیا معنی حقیقت ہے کہ مسلمان اگر سچا مسلمان ہو تو کسی حالت میں
 دوسری دنبوی طاقتلوں سے مغلوب نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ تاریخ دنیا م شاہد ہے کہ آن منہجی
 بھر صحرائشیوں نے جن کے پاس نہ کوئی ساز و سامان تھا نہ کوئی سلطنت تھا اسی نے
 اتنا کادا در دھلی قوت سے بڑی بڑی طاقتلوں کو سرنگوں کر دیا۔

مٹایا قیصر و کسرے کے استبداد کو خداوند کیا تھا؟ نور حیدر فقر لیڈر صدقہ کی
 کوئی اندازہ کر سکتا ہوا اسکے زور پاڑو کا
 کبھی اسے نوجوان مسلمان نہ برجھی کیا تھا
 سچھے اس قوم نے یا لا کی آغوش محبت نہیں
 تھا دن آفرس خلاق آئین جہانداری
 غرض کے اقبال نے نزدیک مسلمان ایک الیسی سستی ہی جسکی بلندی مترپید درخت شان
 کے آگے آسمانوں کی بلندی لیکی پستہ دکھانی دیتی ہے۔

بڑی بڑی جریح نیلی فام سے نزل مسلمانی ستارہ جسکی گرد را ہوں ہ کارداں تو ہے
 اور نظر میں عالم اور امن عالم اسی کے ہاتھوں میں ہو بلکہ انہما ہے کہ -
 خدا نے لمیں لی کھدا دست قدرت تو زبان ہوئے۔ بیضی پر اک راء غافل کے مغلوب گماں تو ہوئے

اقبال کا ایک خاص موضع مسئلہ حیات بین المذاہ ہے جو کو اس نے فلسفیات دلائل برائیں کے ساتھ تباہیت منظم طریق پر بیان کیا ہے اسکے متعلق میں خود اقبال کا خیال نقل کرتا ہوں۔ شیخ مسئلہ حیات بین المذاہ کے ساتھ خاص پیشی رہی ہے میں انسان کے شاندار اور درخشان مستقبل کا پختہ یقین۔ کہتا ہوں اور میرا حقیقت ہو کہ انسان نظام کا نیا بیس ایک متنقش عنصر کی تجیشیت حاصل کرنے کی صلاحیتیوں سے بھروسہ رہے۔ یہ حقیقت میرے خیال داؤکاریں آپ کو سعماً چاری دساری نظر آئیں گا مثلًا

فریض نوریاں از ناکیاں فرزد شود روزے زمیں از گردش تقدیر یا گردش شود روزے خیالِ ماکہ اور پریش دادندانہ طوفان زگرد اپ پیغمبر میلکوں پیش شود روزے کے در معنی آدم نگرا زمیں پیچے می پرسی ہم تو راند طبعیت می خلد میور و لشکر روزے چنان میور دل شود ایں پیش پا فنا دھنمنے کہ بیداں را دل از تاثیر او پر خون شود روزے (۹) اقبال کا ایک متنقش موضع مسئلہ خودی ہے خودی سے اسکا منتاد یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں ہر چیز کی حقیقت ایک ہے اور انسان جب اس سے واقعہ ہو جاتا ہے تو ہر چیز میں اپنی ہی صورت جلوہ گرد کیتا ہے۔ اقبال نے بتایا ہو کہ نظامِ عالم کی حاصل خودی سے ہے اور حیات تعلیمات کا سلسلہ استحکام خودی پر محصر ہے۔ ایکین اول اپنی خودی (حقیقت) سے واقعہ ہونے کی ضرورت ہے۔

پیکر ہستی ز آثار خودی است ہر چے می بلی ز اسرار خودی است
خویشن راجوں خودی بیدار کرد آشکارا اسالم پندار کرد
صدر جہاں نوشید اندر ذات ادا خیز بیدا سست از اثبات او
چونکہ حیات عالم کا انجوہ مار قوت خودی پر رکھا گیا ہے اسلئے جقدر یہ استوار ہو گی
اسکی قدر نہ تدیگی دیر پا مستحکم اور عزز نہ شر ہو گی۔
چوں حیات عالم از زور خودی است پس بقدر استواری زندگی است

قطرہ جوں درخودی از کرند
 ہستی بے مایہ را گوہ سرکرت
 کوہ جوں از خود رو و صحر اشود
 شکوه سخ جوشش در یا شود
 سبزہ جوں تاپ میدا از خوش یافت
 ہمت او سینه گلشن تکافت
 اور حیات خودی تخلیق و تولید مقاصد سے والبستہ ہے یعنی انسان کے مقاصد
 بلند اور آرز و مسلسل ہوئی چاہتے ہیں۔ اس لیے کہ اصل زندگی آرز و ہے۔
 زندگانی را بقا از مدعا است
 کار داش را درا از مدعا است
 اصل اور آرز و یو شیده است
 آرد را و دل خود زندہ دار
 تانگر دمشت خاک تو ضرار
 دل ز سوز آرز و گیر دحیات
 چوں ز تخلیق تمنا باز ماند
 شہیر ش بشکست دا ز پردا زماند
 یعنی اگر انسان کے دل میں آرز و باقی ہے تو وہ قوی دل بلند ہو صلہ اور خوش و خورم
 محنت و مشقت میں اس کو مرا آتا ہے لیکن جب آرز و مرجعیاتی ہے تو دل مردہ ہو صلہ
 پست اور زندگی بے لطف ہو جاتی ہے۔

آرز و صید مقاصد را گنبد
 دفتر افعال را شیراز ہبند
 زندہ را نفی تمنا ہر دہ کرد
 شعلہ را نقصان سوز افسر دکرد
 لیکن شرط یہ ہے کہ مقاصد پاکیزہ اور آرز و ارفع و اعلیٰ ہوئی چاہتے ہیں۔
 مقاصد سے مثل سحر تابندہ
 ماسوارا آش سنوزندہ
 مقاصد سے از آسمان بالا تر کر
 دل را اے دلستا نے دلبے
 باطل دیرینہ را غارت گرد
 فتنہ در جیب سرا پا محشرے
 پھر یہ بتایا ہے کہ خودی عشق و محبت سے مستحکم ہوتی ہے۔
 نقطہ نور سے کہ نام ا خودی است
 زیر خاک ما شرار زندگ است

از محیت می شود یا سندہ تر زندہ نز سوز ندہ تر تابندہ تر
از نگاهِ عشق خارا نقش شود عشق حق آخر سرا پاچ شود
عاشقی آموز و محبوبے طلب چشم تو حکم دلپ ایوبے طلب

گر عشق حق بغیر کسی کامل کی خدمت کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اسلئے پیر کامل و مرد خدا خناس کو تلاش کرنا اور اسکی خدمت کو سرمایہ حیات سمجھنا چاہیے۔ اقبال نے مولانا رودھم کی مثال پیش کی ہے جنہوں نے شمس تبریز کی خدمت سے دہ مرتبہ حاصل کیا جو افہام و لفظیہ میں نہیں آ سکتا۔ بتایا ہے کہ مسلمانوں کیلئے عشق رسول کافی ہے اور ان کو اس نہاد سے اپنا دل آباد کرنا چاہیے۔ اسلئے کہ اس سے بہتر کوئی مقصد نہیں ہو سکتے۔

ستنی مسلم بمحی سگاہ او طور پا بالذکر دراہاد

اقبال نے اپنا شوق رسول بنا یتھ و لکش پیرایہ میں ظاہر کیا ہے جیہیں کمیں بخلیاں کو نہیں نظر آئی تھیں کمیں آئیں حملہ لاتے دکھانی دیتے ہیں۔ غرضک تاثرات قلبی کی چلتی جاتی تصویر آنکھوں کے روپ پیش کردی ہے۔

شور عشقش از شے خا موسش من جمی تپید محمد نعمہ در آغوش من
من چھر گویم از تولاش که پیش
نشک چویہ در فراق ادگریست
پیکر مم را آ فر پیدا کیہہ امش

ایر آ ذار سست دمن بستان او ناک من نهانک از باران او
اس کے بعد ایہ بتایا ہے کہ کسی کے آگے دست سوال پھریا نے سے خود ہی ضعیف ہو جائے۔ انسان کو دیا ہے کہ شخص خدا پر بھروسہ کچھے اور کسی کا زیر بار احسان نہوا قبال نے تمثیل ایک داقعہ لکھا ہے کہ جب بحالت سواری اشتراہناب فاروق عظم کا تازیانہ ہاتھ سے گر کریا تو اسے زین پرستے اٹھا نیکے لئے آپ خود اور نٹ سے اُترے اور اس معنوی کام کے لئے بھی کسی کا احسان گوارانہ فرمایا۔

خود فرود آز شتر مشل عمر الحذر از منت غیر الحسن
 تا که در بوزه منصب گئی صورت طفلان از حمله هر کسی کنی
 نظرتے کو بر فک بسته دنظر پست خی گرد دز احسان دگر
 اقبال کہتا ہے کہ خواہ انسان کی ساری پیشان حال اور تنگی دزی ہو چکے لیکن رزق
 کلئے دوسرے کا محتاج نہو۔ ورنہ حشر کے دن اپنے بیغمیر کے آگے شرمند و جمل ہو زائر بکا
 یونک آنحضرت نے فرمایا ہے کہ اپنی رفری اپنے قوت بازو سے حاصل کرو۔ اسی اسئلہ کے
 خدا کسب کرنے والے کو دوست رکھتا ہے۔

رزق خوبیش از نعمت دیگر بجو موج آب از حیثیت خا در جو
 تانیا شی پیش سینیر بخجل روز فرداے کہ باشد جاگسل
 محبت از حق خوان و بالک دو رستمیر آبروئے مدت بینا میر ز
 آنکہ خاشاک بتاں از کعبہ فرت مریکا سب را تبیسی اللہ گفت
 ا در حب خود می عشق و محبت سے متکا ہو جاتی ہو تو فرط امام عالم کے طلباء مخفی تو ہو سخن کر لیتی ہے
 از محبت جوں خود می محکم شکود تو قشر فرمان مدعا لمب شود
 پنجہ ادیخنے حق می شواد ماہ از اناشت اد شق شود
 در خصوصات جہاں گرد حسکم تابع فرمان او دار او سکم
 اقبال نے بعلی مشاہ طہندر کا واقعہ نظر کیا ہے کہ ان کا ایک بیدیہی خدا نامیں آیا
 اتفاق ہے اس شہر کے عامل کی موادر اسی آرٹی لمحی جلو دار دل نے در واشن کو راستہ میں
 دیکھ کر آوازہ مارا کہ سے دیوں سے اراسنہ ہیں نہا۔ مگر در ویش اپنے دریاۓ نکر میں خود نیا کے
 معاملات سے بے خبر شر ابی شق بعلی ہیں مست چلا جا رہا تھا اس کو بھلا ایسی
 بالوں کی کب پرواہ نے لگی بحقی۔ یہو بدار نے جو لشہ غردد و نجوت ہیں پورہ ہو رہا تھا۔ اس
 مر فقیر کے سر بر ایک چوبیستی رسیدگی۔ فقیر آز ردہ غاطر ہو کر خون کے سے گھومت پھیا

دہاں سے چل دیا اور شیخ کے پاس جا کر فرایاد کی۔ اور بے تکا شار و نے لگا۔ شیخ نے جب یہہ ماجرا مٹنا تو بہت غضیناً کہ ہوئے اور اپنے ملشی کو حکم دیا کہ فوراً ایک فرمان بادشاہ کو لکھو کہ میرے علام کو تیرے عامل نے مارا ہے یا تو اس عامل کو اسکی وقت بر طرف کر دے ورنہ تیرے ملک کو ابھی دوسرے کے حوالہ کر دیا ہوں۔ جب وہ فرمان بادشاہ کے پاس پہنچا تو بادشاہ زر دھوکیا اور اپنے خون کے کامنے لگا۔

نامہ آں بندہ حق دستگاہ لرزہ ہاتھ اخت در اندازم شاہ

پیکر شہ سرمائیہ آلا گشت در دشیں آفتاب شام گشت

اسی وقت عامل کو قید کیا۔ اور خسر علیہ الرحمتہ کو شیخ کی خدمت میں سفیر بنا کر بھیا اور معافی چاہیا اقبال کرتا ہے کہ لفی خود می کام سلسلہ اقوام مغلوبہ کی ایجاد کر اس لئے کہ وہ اس ترکیبے اقوام غالباً کے اخلاق کو ضعیف کرنا چاہتی ہیں تمثیلاً ایک نہایت دلچسپ حکایت لکھی ہے جس کا چھصل ہیہہ کہ کسی چڑاہ میں کچھ بھیر رہتی تھیں۔ جگہ نہایت سرسیز و شاداب تھی گھاس کی بہتات پالی کی فراوانی تھی۔ اور کسی قسم کا خدشہ نہ تھا بھیر و نکی زندگی نہایت اطمینان اور انسانی سے بسر ہوتی تھی۔ مگر آسمان اس عیش کو نہ دیکھ سکا۔ اور تیر بلا کی بارش کرنی شروع کرد ہی۔ یعنی شیروں نے جنگل سے نکل کر بھیر و نکی چڑاہ پر شکون مارنا شروع کر دیا اور غریب بھیروں کے خون سے ہر غزار کو لا لہ زار بنادیا۔ جب کوئی چارہ کارنہ دیکھا اور بھیر سر طرح عختہ ہو گیا تو ان میں سے ایک نے جو کہ چالاک عقیل اور گرگ باراں دیدہ تھی دل میں سونی کر دی۔ فور سیکھ تیروں کا مقابلہ کرنا تو رعد بر ق سے کھیلنا ہے۔ بھلا ہماری نرم و نازک کلائیاں شیر کے بازہ فولادی کے آگے کیا حقیقت رکھتی ہیں۔ اور یہہ بھی ناممکن ہے کہ پنڈ موعظت سے بھترانی پر یہ کو ترک کر کے بھیرئے کی خواہ دیا کر لیں مگر جو ایک بات ہو سکتی ہے کہ شیر نر کو ترکیتے بھیر دیتا یا جا سکتا ہے۔ یعنی اس کو اپنی خودی سے غافل کر دیا جائے اور یہہ آسان ہے چنانچہ پنڈ مرسل بنکر شیروں کے جر کہ میں آپنے بھی اور ان کو فیحست کرنے لگی۔

نفرہ زد اے قوم کذا بک اشر یے جہرا زیوم نجس مسٹر
 مایہ دار قوت رو حسا نیم بھر شیران مرسل یزدانیم
 دیدہ بے نور را تور آدم صاحب دستور و مادر آدم
 توبہ از اعمال نامحود بکن اے زیان اندرشیش فکرسود کن
 هر کہ باشد تند و زور آور قوی سست زندگی مستحکم از لفی خودی سست
 روح نیکان از علف یا بد غذا تارک الیحکمت مقبول خدا
 تبری دندان ترا رسوا کند دیده ادر اگ راعی اکند
 جستجوی عظمت و سلطنت سرا
 چشم بند و گوش بند دلب به بند
 ایں علف زار جہاں پیچہ سنت یعنی تو برس مو ہوم لے نادان پیچ

غرضیکہ جس طرح ہمارے نہ جعل کے صوفی خیال کے داعن دنیا کی بے شانی بیان کرتے ہوئے
 جاہ و متصب سے نفترت پیدا کرنے میں کوئی دقیقہ فردگذاشت نہیں کرتے اوز بجائے علی
 جد و جہد ترقی اور حصولِ معالیٰ کی رغبت لا بیکے ترک دنیا کی تعلیم دیتے ہیں۔ اسی طرح
 اس بھیرنے بھی اپنی دل فریب و ہوش را تقریر سے شیروں پر ڈر لے داتے اور ان کا
 اپنے حال میں یہ نہیں میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔ شیر تو پہنچے ہی سے محنت و مشقت سے
 اکار کئے تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح سکون و اطمینان کی زندگی نصیب ہو بھیر کا
 افسوس چل گیا اور سب نے یہ کخت صیدا فکنی سے توبہ کر لی اور دین کو سقندی اختیار
 کر لیا نتیجہ کیا ہوا۔

از علف آن تیرے دندان نماند ہمیت چشم شرار افشاں نماند
 دل بتند تیخ از میاں سینہ رفت جو ہر آئینہ از آئینہ رفت
 آں جنونے کوشش کامل نماند آں تعاضناۓ عمل در دل نماند

اشکار و عزم و استقلال رفت
 پیغمبر ماسن سے آہمین سے زر دشمن
 مردہ شد لھا و تھما کو ریش
 صمد مر جن پیدا شدراز سے ہوتی
 شیخ پیدا کر دشمن خداش خداش
 اقبال نے ترجمت خودی کے نہیں هر جملے قائم کئے ہیں۔ اور پہلے هر جملہ کا اطاعت دو
 کا شعبہ نفس اور پیغمبر کا نیابت الہی نام رکھا ہے۔

هر جملہ اول اطاعت

یعنی فرائض کے ادا کرنے میں سنتی و کاہلی نہ کرنا اور صیر استقلال کیسا نہ مرگم عمل دینا
 تو ہم از بار فرائض سر متاب۔ پر خوری از عنده حسن المأب
 در اطاعت کوش ای غفلت شوار۔ پیدا خفیا ر
 اس شعر میں لمیات اس طبقہ کے مشہور مسئلہ جبراختیار کی طرف اشارہ ہے مفہوم دیجست کہ
 ادیگی حریت اطاعت یعنی یا بندی فرائض سے پیدا ہوتی ہے۔

ماکس از فرمان پیدا ہی کس شود۔ آتش از باشد ر طبیاں خسرو شود
 ہر کوئی تحریمہ د پر دین کستہ۔ خوبیش را زنجیر سے آئیں کند
 سبزہ بردیں نہ رت پیدا ہست۔ پاکال از ترک آں گردیدہ ہست
 یعنی سبزہ دین متو پاک راستہ اور جب اس دین (نحو) کو ترک کر دیتا ہے تو پاک ہو جاتا
 ہے انجیال مسلمان سے چیا طلب ہو کہ کہتا ہے۔

پاکن پسر سشت ز آ سُجّهہ قوی۔ تو جرا عافل از بیں سامان شوی
 یعنی دستیور فدیم د آ پر تکہا ملکہ ہے از اذیو بلکہ اسی یا بیداری میں ایقی حریت آزادی
 شکوہ شیخ سخنی آئیں مشتملہ۔ از تحدید مصطفیٰ بیرون مشتملہ
 هر جملہ دوسم صہبۃ النفس (اے سکے پاکن ارکان ہیں۔ کلمہ تو جید نماز روزہ حج - زکوہ)

لیعنی نفس پر قابو رکھنا۔ اور یہ کام اگر یہ بہایت مشکل ہو مگر انسان با وجود مشکلات وحاجت کے مراتب سرفراز طے کرتا ہوا اس مقام پر لائیج سکتماں ہو جہاں فرشتہ کی رسالی نہیں جیسی کہ ناممکنی نہیں اس کے زیر فرمان ہو جاتی ہے اس سے انسان اسرت المختار قاتم کی حیات میں ہے۔ لیکن جو شخص نفس کا تابع ہو کر ہوا وہوس میں بدلنا ہو جاتا ہے وہ دین و دینہ میں ذبیل دخوار اور عذاب الہی میں گرفتار ہوتا ہے۔

نفس نو مغل شتر نو درست خود پرست خود سوار دخود سرزا
مرد شو آمر ماسم اد بکفت تاشومی گوہر اگر باشی خزن

ہر کہ بخود ندیت فرانش زوال می شود فرمان پریا از دیگر ایں

اقبال کہتا ہے کہ تیری تھیم آب بگل سے تیار ہونی ہے اور مجہت اور خوف کو تیری میں
میں داخل کیا ہے لیعنی ایک طرف تو دنیا و خلق کے خوف میں بدلنا ہے اور دسری طرف
اں دوست اور فرزد زن کی مجہت میں پابند ہے۔ اور یونکہ آب بگل کا اقتضان پروری
اسٹرنے ہوئے نفسانی میں بدلنا بخوبی خود رکھی ہے۔ لیکن جب تک تیری پاس لا الہ کہ
عاصا موجود ہے اس وقت تک تو ہر کم کے خوف و خطر سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتا ہے

تاعصماً للاله دار می بدستو ہر طبقہ خوف را خواہی نکالت

کہونکہ جو شخص توحید کا قابل ہو باطل کے آگے سرستکھم نہیں کرنا۔ اور دنیا کی کسی طبا
سے مرجوب نہیں ہوتا۔ اسی جس کو توحید پر تقید کا عمل ہتو۔ وہ ماں ایش کے آگے پر
چکتا اور دنیا کی فرعونی طاقتلوں سے دز جاتا ہو۔ اسی طرح جو شخص عشق الہی کی آگ
اپنے دل میں رکھتا ہے اسکو کسی قسم کی مجہت خدا سے غافل نہیں کر سکتی۔ حتیٰ کہ زندہ
خدا میں اپنے لخت جگر کے حلقت پر چھپری پھیر دینا ہیں تو اب سمجھتا ہو جدیسا کہ جو خفتہ
ابراہیم علیہ السلام نے کیا۔

ہر کم حق باشد جو جان اور تنشی ختم نگردد پیش باطل گردش

خاطر شفی عوب غیر اسلامیت
سر که در آفلیم لا آیا دشید
می گشت ر از ما سوا قطع نظر
کلمہ توحید کے بعد نماز کی تعریف کرتا ہے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا شَدِّدَ حِدْرَتَ
وَهُنَازَ قَدْبِ مُؤْمِنٍ رَاجِحٍ أَصْدَرَ نَمازَ
دَرْكَفْ مُسَامِيَّاً خَنْجَرَ اسْتَ
يَعْنَى اگر کلمہ توحید صداقت ہے تو نماز کو ہر کا فتنہ رکھتی ہے نماز مسلمان کے پاس ایک تلوار یہ
جو منکرات و محشرات کو قتل کرتی اور پاکی وروغاتیت کی بیس کرلتی ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ فرمائی
ان الصعلوأة تهـا عـن الـغـثـا وـالـمـنـكـر وـالـبـعـنـی اسکے بعد رکن ثالث کی تعریف کی ہے۔

رَوْدَه بِرْ جَوْعَ وَعَطْشَ شَجَونَ زَمَدَ خَبِيرَتْنَ پِرْ دَرَمَيِ رَابِشَكَنَه
یعنی روزہ بھوک اور پیاس کو زائل کرتا تھا پر درمی سے روکتا اور تخلیف اور محنت برداشت
کرنے کا عادی بنا تا ہے۔ اس کے بعد رکن رانج کی تعریف کی ہے۔

مُوْمَنَ اَرْفَطَرَتْ اَفْرُونَهَتْ حَجَّ هَجَرَتْ آمُوزَ وَوَطَنَ حَسَرَهَتْ حَجَّ
طَاعَنَتْ سَرَمَاهَهَ حَمَعَنَهَ رِبَطَ اَوْرَاقَ كَتَابَ مَلَئَهَ
حج مسلمان کو وطن کی محبت قطع کرنے اور بھرت کی تعلیم دیتی ہے۔ فطرت کو روشن ضمیر کو
پاک دل کو فوی اور لیقین کو محکم بناتی ہے۔ جمیعت کو قائم رکھنے والی اور کتاب ملت
کے اوراق پر لشان میں تنظیم و اتحاد پیدا کرنے والی ہے۔
رکن خامس زکوٰۃ ہے۔

حَبَّ دَوْلَتَ رَافِهَاسَانَهَ زَكَوَّاَةَ هَمَ مَسَادَاتَ آشَاسَانَهَ زَكَوَّاَةَ
دل ز جتی تنفقوا محکم کند زر فرايد الفت زر گم کند
یعنی زکوٰۃ حب دولت کو مٹا تی ہے انسان کو مسادات آشانا بناتی ہے مال دوت

میں اس سے پرکت ہوتی ہے اور انسان کی طبیعت میں سیہر پر چشمی پیدا کرتی ہے۔ لیکن اگر یقین کامل کیسا تھا اسلام پر قائم ہے تو سہی کچھ ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔

هر حلہ سو ٹم نیابت الہی

اس میں یہ بتایا ہے کہ جب انسان اپنے نفس کو مطیع و منقاد کر کے ان اركان خامسہ عامل ہوتے ہے تو نیابت الہی کا اہل ہو جاتا ہو ملک جادوی کی حکومت اور دنیا کی شہنشاہی اسکو مل جاتی ہے۔ اور کوئی چیز اس کے احاطہ اثر سے باہر نہیں ہوتی۔ حقائق عالم سے واقف اور سارے حکماء سے باخبر ہوتا ہے۔

| | |
|-----------------------------|---|
| گرمشتر بانی جہاں بانی کُنی | زیب سرناج سُلیمانی کُنی |
| تاب جہاں باشد جہاں آراشتوی | تاجدار ملک لا یسے شوی |
| نائب حق، پچھو جان عالم است | ہستی او ظلِ اسکم اعظم است |
| از روز جزو دخل آگہ بود | پختہ ساز دفترت ہر خاصہ |
| در جہاں قائم با مر اسرہ بود | نوع انسان را بشیر دہم ندیر |
| از حرم بیرون کندا صنم را | مُدعائے علم الائمه سے |
| ہم سپاہی ہم سپہ گر ہم اسپہ | از عصاد سک سفیدش محکم است |
| سر سبحان الذی اسری سے | خشک ساز و ہبیت او نیکل را |
| قدرت کامل بعلمش تو ام است | از قحم او خیز داندر گور تن |
| می برداز مصڑا بہرا سیل را | (۹) اقبال کا ایک موضوع بخود می ہی۔ بخود می کے معنی ہیں۔ اپنے آپ کو جماعت میں ملا دینا یعنی فرد کا اپنے احساسات کو جماعت کے مقصد وحدت کے اندر فنا کر دینا۔ کیونکہ فرد کیلئے جماعت میں داخل ہوتا آئندہ رحمت اور اپنی ہستی کو جماعت سے علیحدہ نہ بھاندھا غصیں اک |

فرور اربط جماعت حستہ ہستہ
جو ہر اور اکمال از ملت ہست
جز جان کون گفتہ خیر البشر
ہستہ شیطان از جماعت دور تر
فرد میگر ز ملت احستہ ام
ملت از افراد می یا پلٹام
فرد تا اندر جماعت کم شود
فطرہ دست ہلکہ تکرم شود عت
یعنی جس طرح قطعہ دریا میں ملکہ دریا ہو جاتا ہے اسی طرح فرد جماعت میں داخل ہو کر جا
کی قوت جماعت کا ذقار اور جماعت کے اوسمان سے منصفت ہو جاتا ہے۔ گیوں مگر جماعت
وہ ہے جو قتلہ ہت عنصر افراد سے اس طرح مرکب ہوئی ہو کہ اس کا کوئی جزا نہیں
اصلی حالت پر قرار نہ رہا تو اوس کے پر فرد سے جو اعمال تسری دہوئی ہیں یا سر
فرد اس حالت میں جو کچھ سمجھتا ہو جسمانیت وہ اسکے خلاف ہوتا ہے جو حالت افرادی میں سمجھتے
ہو جسمانیت ہے بلکہ اس کا ظاہر باطن اس کا قول دفعہ اسکی نیت اور اس کا ارادہ دہی ہے
ہے جو قوم کا ہوتا ہے۔ یعنی فرد جماعت میں کذشتہ اور آئندہ حالات کا آینہ ہے۔ گذشتہ
کا اس لئے کہ جماعت کے اندر قدامتی یعنی کاچھ بہادر سے زیادہ ہوتا ہے۔ وہ اپنی رو
قدیمہ کو نہایت سختی سے قائم رکھتی ہیں اگرچہ بعض اوقات یہ معلوم ہوتا ہے کہ جماعت
لئے اپنے رسوم و اعراف یا است کو تبدیل کر دیا ملکہ دریا مل یہ ظاہری تبدیلی ہوتی ہے
اور تحقیقت اسکی غیر تبدیل ہوتی ہے اور آئندہ حالات کا اس لئے کہ جماعت کے
محاذی دہ اخلاق و نظم قوی کو دیکھ کر ہی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسکے افراد کا مستقبل کیا ہے
وہ عمل انتقامی و ماضی ذات یا و
پیکر مشش از قوم و ہم جانش ز قوم
ظاہر شناز قوم و پنهانی شنی ز قوم
در زبان قوم کو یا جی مشود
پایہ دارہ سبیر است دیہیں ماد رفتہ د آئندہ را آئینہ از عت
اسکے بعد اقبال نے خود می دیجود می کا فرق بتایا ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ جما

میں دا نسل ہو کر خود میں اپنے اوصاف خصوصی کو بھول جاتی ہے اور جماعت کے اوصاف اخذیار کر لیتی ہے۔ جب تک انقدر میں حالت میں حقیقتی ذوقی سے باک بھی اس لئے کہ متن دلوں میں احتیار رہتا ہے اور اسی کے بھلوسے ہیں۔ لیکن جب بحالت انقدر میں اجتماعی حالت میں آئی تھے تو من کو بھوڑکر اور تو ہو جاتی تھے جب تک انقدر میں ازاد بھی یعنی اسکو اخذیار لفڑا کہ جو پاہتے کرے ایکن جماعت میں دلائل ہو کر پابند ہو جاتی ہے۔ اپنی رائے کو جماعت کی رائے میں اور اپنی مقامہ عدید کو جماعت کے مقاصد میں فتاکر دیتی ہے۔ چونکہ یہ فرق ذرا بارکت ہے اس لئے اقبال کہتا ہے کہ

نکتہ ہے جو لوگوں کی پوچش اسست تہذیر گئی فحمنہ پیش ماگر سترے
اسکے بعد یہ بنا یا سے کہ اخلاق امانت، افراد سے یہاں تو نہ ہے اور اس کی تکمیل تبویث
ہوئی ہے۔ یعنی افراد جماعت میں دلائل ہو کر ایک دوسرے سے مانوس آپس میں بزرگان
و بزرگار اور زادداری و اخوت سے کہ خوگر ہو جاتے ہیں مگر اپنے اے افریمنش میں ایسا
نہیں ہوتا بلکہ جماعیت پر بخوبی شکم شعور ہی کا خلیہ رہتا ہے تہذیب و تہذیب میں وحشتناک بروز
کے انتار پائے جا سکے ہیز اس کا کوئی کام سلیقہ اور عمدگی سے انجام نہیں پاتا تحقیق و
تلائی کی دلدادہ آرزو کی شیدائی بلکہ ایک ہمایت میں بعتا اور افسانہ ہے دلو دیر کی
کی سوداگی۔ بیان لست پست اور جو سلسلے کو تاہ ہوئے ہیں معمولی بات سے ڈرنا۔ خیالی
معیود و دلکش کرنا اور محنت سے کھینچانا اس کا خیبر نایہ ہوتا ہے جیسے کہ
اور قدرت کی حسن آفرینیاں اس کو اپنی طرف مائل نہیں کرتیں یہاں کہ خلاق عالم
ایک صاحبہ دل (بیغیز) کو بیجتار کی جو دن و دنیا کی تعلیم دیتا اور امید دیکھ کر ہمبو جو
دکھاتا ہے افمالِ محمود و کردار متوعد پر حبست کی بشارت اور اعمالِ ناسیزاد حرکات کا قدر
پر دوزخ سے ڈراتا ہے اسکے وہ میں زندگی اور اسکی تعلیم سے جماعت ہیں۔

جو شیں مرد انگل کی لہر دڑ جاتی ہے۔

نقش پا شش خاک را بینا کند
ذر را چشمک زن سینا کند
عقل عسر ریاں را دید پسرا یہ
بندہ ایں بے مایہ را سرمایہ
بندہ از پا کشاید بندہ را
از خداوند ایں را پید بندہ را

یعنی نوع انسان کو غلامی سے آزاد کرنا اور تو ہم پرستی سے نجات دلاتا ہو مبعودان مجازی
 جدا کرنا اور مبعود حقیقی سے ملا تا ہو۔ جماعت کو ایک مقصود کی طرف بلا تما اور ایک خیال کی طرف ثبوت
دیتا ہے۔ کثرت میوہوم کو مجازی و اعتیاری بتانا اور نکتہ توحید سکھاتا ہے۔

اسکے بعد بتایا ہے کہ لمت اسلامیہ کے ارکان اساسی توحید و رسالت ہیں یعنی اسلام میں
سے مقدم توحید و رسالت پر ایمان لانا ہے۔ اور تا امیدی خوف اور رنج تمام بُرائیوں کی جریب
اور زندگی کو قطع کرنے والے اور توحید ان امراض کا علاج ہے۔

مرگ را سامانِ قطع آرزوست زندگانی محکم از لا تقطیر است
نا امیدی آچھو گوراف شاردت گرچہ الود کی ز پامی آردت
از دش سیر د قوائے زندگی خشک گردد چشمہ اے زندگی
اے کہ در زندگی غم باشی اسیر از بی تعلیم لا تحریز ن بگیر
گر خداداری ز غسم آزادشو از خیال بیشک و کم آزاد شو
مشاء یہ ہے کہ آرزو کا قطع کرنا زندگی سے با تھر دھونے کے ہرادت ہوا اور مسلمان وہ ہو جو کسی
حال میں نہ امید نہ بکھر فرق خدا کے فضل و کرم امید نہ ہونا امیدی مسلمانوں کا قومی شیوه ہے
نام بھی لیتے نہیں ہرگز مسلمان یاں کا نامیدی انسان کو لپیت بہت بزرگ اور ناشکرا
بتائی ہو اور امید نہ تنا و بھی خشک ٹھیکی کو رحمت الہی کے تھوڑتے سر بر و شاداب کھتی ہے
نا امیدی ترقی سے نہیں اور آسمان اقبال سے خاک ادب اور لاد المی ہے اور امید فرش خاک
سے اٹھا کر افلک پر پہنچاتی ہے۔ غرض کم جو شخص خدا و رسول پر ایمان رکھتا اور توحید رسالت

کا دل سے قائل ہو وہ کیسے ہی موقع پیش کریں کبھی جی نہیں چھوڑتا۔ اور آخر میں کامیاب ہوتا
اور دین و دنیا میں سرخردی حاصل کرتا ہو۔ اقبال نے اس موقع پر ایک نہایت برجملہ اقتدار کھانا
ایکروز حضرت عالمگیر صبح کیوقت اپنے ایک غادم کیسا تھا میر تقیر تھ کیلئے شہر سری باہر نکلے جو
کا سہانہ دقت نیسیں سحری کے نرم دنمازگ جھوونکے۔ ترقہ تازہ جھولوںگی جنگ۔ روح میں احتصار اور
دل میں بالیدگی پیدا کر ہی تھی۔ طائر ان خوش الحاضر کی نغمہ سمجھی متناظر قدرت کی بو قلمونی
جنت نگاہ و فردوس گوش کے سامان بھم پیچار ہی تھی۔ ایسے مبارک وقت میں عالمگیر جسیں
السان خدا کی یاد سے کیون مکر غافل ہ سکتا تھا ۷

شاہ رمز آگاہ شد محو نماز نیچمہ پر زد و خفیقت از نماز

لیکن نماز میں کھڑا ہونا تھا کہ خیگل سے ایک شیر بہر جسکی آواز سے زمین لرزی تھی ہاڑتا ہوا
اور اس شہنشاہ حق آگاہ پر حملہ کیا۔ چاہتا تھا کہ اپنے پیجہ خارشکاف کی قوت کا منظاہر کر کر
کہ اس مرد خدا نے اپنا خنجر خون آشام میان سے نکالا اور بغیر پیکھے ہوئے ایک ہی دار میں اس
شیر کو فرش خاک پر لٹا دیا۔ اور پھر نماز میں محو ہو گیا۔ اسکے بعد اقبال کہتا ہے کہ مسلمان کے
سینہ میں ایسا پیچا ک دل ہوتا چاہیے۔

| | |
|-----------------------------|--------------------------------|
| دار دانہ در سینہ مومن وطن | ایں چنیں دل خود نا کو خود شکن |
| پیش باطل از لعم پر جا ستے | بندہ حق پیش مولا لا ستے |
| شادہ سے را محملے آور بدست | تو ہم اسے تاداں دے آور بست |
| رود بحق باش دشیری پیشہ کن | عشق را آتش زن اندیشہ کن |
| خود حق عنوان ایمان ہست دلیں | خودے غیر از شرک پہنان ہست دلیں |

یعنی جب طرح خدا سے ڈرنا ایمان کی نشانی ہے اسی طرح ما سوا انسر سے ڈرنا شرک ختنی کی کلمہ میں
اسکے بعد بتایا ہو کہ توحید مسلمان کا ایمان ہے اور رسالت اسلامی روح روای اگر محض توحید
کا قائل ہے اور رسالت پر ایمان نہیں کھتنا تو بخسر لے اس بھول کے ہو جائیں لیکن ہی مگر لوٹنیں۔

حق تعالیٰ پیکر ما آفرید دز رسالت در تن ما جان دمید
 حرف بے صوت اندر یعنی علم بدیم از رسالت مصروع موزون شدیم
 از رسالت در جهان تکوین ما از رسالت دین ما آئین ما
 رسالت سے اتحاد و اخوت افراد مختلفہ میں حدت اور مقاصد میں یگانگی پیدا ہوتی ہے
 از رسالت صد ہزار مایک است جزو ما از جزو مالا یعنی کثیر است
 کثرت ہم بر عاد حدت شود زندہ ہر کثرت زند و حدت است
 پنجمہ چوں وحدت شود ملت شود وحدت مسلسل زدن فطرت است
 دین فطرت از بنی آدم خوشیم دین فطرت از بنی آدم خوشیم
 تانہ ایں وحدت زادت ماردو هستی ما یا ابد ہم شود
 اسکے بعد یہ بتایا ہے کہ رسالت محمدیہ کا مقصد حرمت مسادات اور بنی نوح انسان میں اخوت
 قائم کرنا ہو یعنی اسلام سے پہلے دنیا میں جمالت کی الیسی تاریکی بھیلی ہوئی تھی کہ اتنی
 استقدار زبول حال نفا کہ کہیں سطوت کسرے وصولت فیصلہ کا ترتیب تھا کہیں کہیں کہیں یا
 کہ بند حق گذار کہیں بادشاہ امیر اسکے آقا تھے کہیں یاد ری اور بخاری حد ازند لقا
 کہیں سے برہمن کل از خیابانش بیٹھ رہے خرمتش منع زیادہ یا آتش سیر - فی الجملہ اس لیک
 نتیکار (انسان) کیلئے سکڑوں جاں پنچھے ہوئے تھے اور اس ایک گردن میں ہزاروں
 پچھے سے پڑے ہوئے تھے۔

از غلامی فطرت او دون شدہ لغہ ہا اندر نئے او خون شدہ
 بہانتگ کہ ایک ایمن حق سر اپر جنت بنکر آتا ہو حق کے سپر کرنا ہے - نمرود
 اور فرعون کی سرکشی کا خاتمه کرتا ہے اور غلاموں کو متعدد خاندان پر بھاتا ہے - اسی نظر
 انسانی میں جوزتگ غلامی سے مردہ ہو چکی تھی عالم افراد جلوے اور اسی غاہت سے جو
 بالکل باطل پستی کے سبب سے سڑ ہو چکی تھی فطرت انسانی کو روشنی کرنے والی مگر کفر سے

چنگاریاں پیدا کرتا ہے۔

شعلہ از مردہ خاکسترشاد کو ہن را پایہ پیدا نہ داد
تازہ جاں اندر تن عالم دمید بندہ را باز از خداوندی خرید
اسکے پیدا ہوتے ہی حریت و آزادی اخوت رداداری عالم وجود میں آتی ہی اور کفر و
الحاد شرک و طغیان مارے صحیبت کے خود کشی کرنا شروع کرتے ہیں۔

حریت زاد از ضمیر یاک او ایسے نوشین چکیدا ز تاک او
نقش نور صفحہ هستی کشید اُنمیں گیتی کشتاے آفسید
امتے از ما سوا بُنے گا نہ بُرج پسراغ مصطفیٰ بردا نہ

کل مو من اخوۃ اندر دلش حریت سرمایہ آب گلش
یعنی کل مو من اخوۃ کا سبق ڈھا کر حریت کا سرمایہ دار بنادیا۔ اور امتیازاتِ رنگ دیو
ٹھا کر سب کو ایک صفت میں لکھا کر دیا۔ افعانی تواریخی ذرا کی دناماری کو ایک سلمان کے لقب سے
ملقب کر کے پابندی ملک و نسبتے آزاد کر دیا۔ جویسا کہ حضرت سلمان فارسی سے نوگوں نے
ان کا شجرہِ نسبہ دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا سلمان ابن اسلام = اقبال نے
سلطانِ مزاد اور عمار کا داقعہ نقل کر کے سہاداتِ اسلامیہ کو ثابت کیا ہے۔

خجندی دلایت میں ایک معمار تھا جو شن تعمیر میں کمال رکھتا تھا۔ اس نے بادشاہ کے
حکم سے ایک مسجد بنوار کی مگر بادشاہ کو ناپسند کی اور ناراضی ہو کر اسکے ہاتھو قلم کرا دے وہ معمای
پیغمبر خون سے زمین کو اللہ زار بنا تا ہوا قاضی وقت کے پاس ہی پیا۔ اور بادشاہ کے ظلم
سے انصاف چاہا۔

گفتہ لئے پیغام حق لفتار تو حفظ آئین محمد کار تو
سفنه کو مشن سطوت شاہان نیم قطع کن از روئے قرآن دنویم
بیہ داستانِ ستم سنکر قاضی کو مارے غضہ کے تاب نہ رہی اور نوراً بادشاہ کو اپنے چھپنے

میں طلب کیا بادشاہ نے جو قوت قرآن کا نام مُناخون سے کاپنے لگا اور خطاب کارڈ کی
طرح قاضی کی عدالت میں حاضر ہوا۔

رنگ شہزادہ بیدت قرآن پرید پیش قاضی چوں خطاب کاراں رسید
از خجالت دیدہ بر پا دوختہ عارض اولالہ ہا انداختہ
یعنی شرم وندامت سے سرچھکائے ہوئے آ کر اس معمار کے برابر کھڑا ہو گیا۔ اور کہنے
کے اے مسند شرع کے وارث امیں اپنے کئے پر شرم نہ ہوں اور اپنے جرم کا اعتراض
کرتا ہوں۔

گفت قاضی فی القصاص آمدحیا زندگی گیرد یاں قالون ثبات
قاضی نے کہا کہ قرآن شریف میں آیا ہے و لکم فی القصاص حیاة یا اول الالباب اور
عبد مسلم مکتاز احرار شدید خون شہزادگین تراز معاشرت
جو وقت مراد نے یہ آیتہ حکم سنتی تو اپنا ہاتھ آشین سے باہر کر دیا اور کہا کہ بخلاف حکم
قرآن سے کس کو مفرے۔

چوں مراد ایں آیتہ حکم شنبیہ دست خوش از آشین بیرون کشید
لیکن مدعا نے جب یہہ حال دیکھا تو اس سے فبیط نہ ہو سکا اور فوراً آیتہ ان اللہ یا میر
یا العدل والاحسان اخ پڑھنے لگا۔ اور کہا کہ اے حاکم شرع امیں نے اس کو خدا
در رسول کے لئے معاف کیا۔

یافت مورے بر سلیمانی طفر سوط آئین بھیجیں مگر
پیش قرآن بندہ و مولائیکے ہست بوریا و مسند دیباکیکے ہست
اسرار خودی در موز بیخودی کے بعد یا مشرق ہے جو گوئے کے دیوان کے جوا
میں لکھی گئی ہے۔ کہیں کہیں جرم شاعر ہا میں اور گوئے کا جواب ہے اور شرع
میں رباعیات ہیں جو با طاہر عریان کے تبتیع میں لکھی گئی ہیں۔ مثلاً اگرٹ اور پھر کی

بحث کے متعلق یہ مر باعی ۵

بہ بیزاداں روز مختصر بر سر ہم گفت فرضی زندگی تاب شمرد بود
 ولیکن گر نز بھی با تو گویم صنم از آدمی پائت رہ تر بود
 گداۓ جسلوہ رفتی پر سر طور کہ جان تو ز خود ناچر می ہست
 قدس اند تلاش آؤئے زن خدا ہم در تلاش آدھے ہست
 اس کتاب میں یورپیں مسائل کے متعلق ہی نظیں ہیں مثلاً جس زمانہ میں سمندر نکی
 آزادی پر بحث ہو رہی تھی اقبال نے اس مسئلہ کے متعلق لکھا تھا
 بطور می گفت بحث آزاد گردید چنیں فرمان ر دیوان حضرت
 نہیں گفت رو ہر جا کہ خواہی دلے از ما نبا یہ بے خبر نہ
 اقبال کی جو تھی تصنیف ر بور صحیم ہے اس کے تین حصے ہیں اول غزلیات دوم لکشن
 سوم بندگی نامہ حصہ اول پھر تین حصوں میں تقسیم ہے اول خدا دوم انسان سوم
 پرم قدرت ۔ گلشن راز ۔ ایران کے مشہور صوفی اور فلاسفہ علامہ محمود شبستری کی
 مشنوی ہے ۔ خراسان کے باشندوں نے علامہ موصوں سے تیرہ سوال کئے تھے جن کا
 جواب ترتیب دار انہوں نے لکشن راز میں دیا ہے ۔ اقبال نے ان میں سے نو سوال ہے
 ہیں اور موجودہ زمانہ کے مقتضیات راحوال کو مد نظر رکھ کر ان کا جواب دیا ہے اس ضمن
 میں یورپ کی جمیوریت اور قدیم دیاسیات کی علیحدگی اور اسی قسم کے بہت سے اہم
 مسائل زیر بحث آگئے ہیں مثلاً جمیوریت کے متعلق لکھا ہے ۔

فرمک آئینی جمیوری نہاد است رسن از گردن دیوے کشا داست
 گرد ہے را گروچے در ملین است خداش یا رکر کارش چینیں است
 قدریب دیاسیات کی علیحدگی کے متعلق لکھا ہے ۔
 خرد را بادل خود ہم منفر کن یکے بریلت ترکان نظر کن

بہ تعلیم فرنگ از خود ر میدند
 میانِ ملک و دین بسط ندیدند
 مقامِ نور و صورت درنگ دبورا
 دگرگوں با مراد خویش کردند
 طلبِ حُمَّہ سپهراو شکستن
 ندادن گندم خود با شعیرش
 فر در نتن چو پیکار در نمیش
 شکوه خیری این هست اسیت
 همیشہ ملک است کو تو امید دین آت

اقبال کی جدید تصنیف بـ جاوید نامہ ہے۔ یہ حقیقت میں ایشیا کی دیوان کا میڈی ی ہے
 جدیے ڈائسٹ کی تجھیت یورپ کی دیوان کا میڈی ی ہے۔ اس کا اصلوب ایم ہے کہ
 شاعر مختلف۔ ساروں کی سیر گرتا ہے اور اس میں مختلف مشاہیر کی رحلوں سے ملک
 باقی رہتا ہے پھر جنت میں جاتا ہے اور آخر میں خدا کے سامنے پہنچتا ہے۔ اس تصنیف
 میں دور حاضر کے تاثر جامعی اقتصادی سیاسی مذہبی اخلاقی اور اسلامی مسائل زیر
 بحث آگئے ہیں اس میں صرف دو شخصیتیں یورپ کی آئی ہیں اول کچندر دوم ملٹشا
 باقی تمام شخصیتیں ایشیا کی ہیں۔ ڈائسٹ نے اپنا رائق سفر یا خضر طریق دد جل کو بتایا
 اقبال کا رائق سفر یا خضر طریق مولانا روم میں مثلاً چاند عیا ہند و شان کے مشہو
 ہند و صوفی دشرا متر سے ملاقات ہوتی ہے جس کا نام جاوید نامہ میں جماں دوست رکھا ہی
 اسلئے کہ دسوامتر کے معنی جماں دوست کے ہیں = دشوامتر سے جو باتیں ہوئیں =

گفت مرگ عقل ہ کفہم ترک ذکر گفت مرگ تلب ہ گفہم ترک دکر
 گفت دین عالمیان ہ گفہم شنید گفت دین عارفان ہ گفہم کہ دید
 گفت آدم ہ گفہم از اسرار است گفت عالم ہ گفہم او خود در درست
 گفت ایں علم دہسر ہ گفہم کہ بوت گفت صحبت پیش ہ گفہم روک دد
 زور عجم اور جاوید نامہ میر پاس موجود ہیں اسلئے تنگ وقت اور تقاضا کی پیش کے

سبب سے ان دونوں کتابوں کے متعلق میں نے اقبال کے ذاتی خیالات کو جو اسے لندن میں انڈیا سوسائٹی کے کسی جلسہ میں ظاہر کئے تھے نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے غرضکار اقبال نے جو کچھ لکھا ہے اسپر بالا مستیعاب تبصرہ کیا مشکل نہ سہی لیکن اس فحصہ رسالہ میں شرح دبیط کے ساتھ بیان کرنا رسالہ کی صل عرض غرض دعایت کے مناقی صردر ہے = میں یہ چاہتا ہوں کہ کم از کم اقبال کی طرف سے لوگوں کی غلط فہمی درہ ہو جا دردہ یہ سمجھ لیں کہ اقبال شعراء کو لکھنؤ کی طرح حسن اب بام کا شیدا یا کمریار کی تحقیق کا سودا لی نہیں بلکہ وہ ایسی ہستی ہے کہ اسکے علوم تربہ اور کمال ذاتی ہی نے اتنک ایسی تحقیقت کو پرداہ میں رکھا اسلئے کہ جودل ددماغ دد لیکر آیا ہے اور جس تہذیب جس خلاف اور جس تہذیب کی دہ ترجمائی کرتا ہے ۔ اسکے چاہئے دائلے دنیا سے آنحضرت کے جلسا کہ دہ خود کھاتا ہے ۔

اب تو اپسیرا ہے کیا لکشن ہوا ترجمہ بے محل تیرا ترم نغمہ یے موسم تیرا کر اس لئے ایک ایک اخصار کو مد نظر رکھتے ہوئے دو ایک اعتراضات کا جو اقبال پر جاتے ہیں جواب دیکر اپنے مفہموں کو جنم کرتا ہوں ۔

پہلا اعتراض یہ ہو کہ اقبال نے فارسی زبان کو اپنے لئے اختیاب کرنے میں اتنا علیحدی کی ہے ۔ عرض ہے کہ اقبال کا کلام ایک پیغام امن ہے جس کو دوسرے معنوں میں تعلیم اسلام کہہ سکتے ہیں اور یہ پیغام وہ تمام دنیا کو پہنچانا ہتا ہے ۔ اسکے لئے اسکے پاس دو ربانیں تھیں اردو اور فارسی ۔ اردو ہندوستانی زبان ہے اور ہندوستان سے باہر کمیں انہیں بولی جاتی اور جونکہ اتنک اس قسم کے خیالات کو اسیں جگہ نہیں دیکھی اسلئے علمی حیثیت سے کم مایہ بھی ہے جیسا کہ اقبال کا خیال ہے کہ بسوئے اردو بھی منت پذیرشان ہو ۔ شمع یہ سودا میں دلسوڑی پروانہ ہے بخلاف اس کے فارسی زبان ادل تو ہندوستان میں جماں جماں اردد ہاں فارسی

کی تعلیم بھی کم و بیش جاری ہے بلکہ تعلیم کے اعتبار سے نسبتاً فارسی کو اردو سے زیادہ اہمیت حاصل ہے اور اگر مہندستان کا بالکل بھی فارسی ہے بلے پھر ہوتا نبہ اس کو شکایت کا موقعہ نہیں تھا اس لئے کہ اقبال کے کلام کا ایک کافی دوافی حصہ اردو میں موجود ہے اور دسی باتیں جو اس نے فارسی میں تفعیل کیے تھے بیان کی ہیں اردو میں اچھا امسکتی ہیں۔

دہ بیرون ہند کا معاملہ: اہل فارس کی قوزبان ہی فارسی ہے اور سب زیادہ ضرورت ہو اسلئے کہ زندگی کی دشواریوں سے گریز کرنے والی کیفیت اور محترم دکامانی سے لذت اندر ہوتی کی حالت بہبعت دیکھ اقسام کے ان پر زیادہ غالب ہے۔ اقبال کہتا ہے کہ "اقوام مشرق کو مجید حسوس کر لینا چاہیے کہ زندگی اپنے حوالی میں کسی قسم کا انقلاب پیدا نہیں کر سکتی جب تک کہ پہلے اسکی اندر دلی گمراہیوں میں انتہا بنا نہ ہو اور کوئی نئی دنیا خارجی وجود احتیار نہیں کر سکتی جب تک کہ اسکا وجود پہلے انسانوں کے ضمیر میں مشکل نہ ہو جائے" اسلئے اقبال کے کلام کی اہل فارس کو بہت زیادہ ضرورت ہے۔ اور اس ضرورت کو فارسی میں پورا کیا جاسکتا تھا نہ کہ اردو میں یا کسی اور زبان میں۔

ایک بات یہ بھی ہے کہ آزادی اور غلامی میں زین دار مسان کا فرق ہے وہ اقوام جنکی گردنوں میں غلامی کے طوق پڑے ہوئے ہیں۔ اسی حد تک کسی بات پر عمل کر سکتی ہیں جس حد تک انکی غلامانہ ذہنیت اور حد احتیار اجازت دے اور آزاد اقوام ہر نیک پیغام پر لبیک کہہ سکتی ہیں اور خود عامل ہو کر دوسریں کو بھی قید سلاسل سے نجات دل اسکتی ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ اہل فارس میں بیداری کے آثار پہنچا ہو گئے ہیں اگر اقبال کے کام کی دلیل اشاعت کیجئی تو کچھ بعید نہیں کہ ہندو کو بھی وہ بیرونی ہو جائے جس سے وہ ایک مدت سے خواب دیکھ رہا ہے۔ اس کے علاوہ مولانا رام سنگھ سعدی فردوسی اور عمر خیاوم جبلی ہستیوں سے

احکام الہی اور نزہیہ دشمنیت کے اصول اور نکات علوم کو عربی سے لیکر فارسی میں اس خوبصورتی سے پیش کیا کہ دنیا کی نگاہ میں خیر ہو گیں۔ اور اکیار کی فارسی کی قدر عالمگیر ہو گئی۔ اور کیا عرب کیا عجم پر میں فارسی کو دہ مرتبہ حاصل ہوا کہ آج بڑے بڑے مشاہیر اساتذہ کے کلام کو انگریز تی فرانسیسی اور جرمی زبانوں میں کفرت سے ترجمہ کیا جا رہا ہے۔ کیا یہ مرتبہ اردو یا تائی دوسری زبان کو حاصل ہو سکتا تھا۔ اور خود اقبال کو روز خود می اور اسرار بخودی سلکنے کے بعد اسکا تجربہ ہو دیکھا ہے آسانی اور بلاغت کے اعتبار سے دیکھئے تو وہ کام فارسی کا ایک لفظ کر جاتا ہے وہ اُردو کے ایک پورے نقہ سے نہیں ہو سکتا۔ اور جو مفہوم فارسی کے ایک نقہ سے ادا ہوتا ہے اُردو کا ایک شعر اسکے ادا کرنے میں فاصلہ ہے۔ اسکے علاوہ فقرہ نکالڈ ہلاد الفاظ کی نسبت تراکیب کی جیتی زور کلام اور خوبصورتی و دلآلی دیزی جو فارسی میں ہے وہ دوسری زبان کو لصیب نہیں اور اس کا تجربہ اقبال کو اس وسیع مذاہدہ کے بعد ہوا جو اس نے فارسی تصانیف کا انتہائی وقت نظر اور استیعاب کیا تھا کیا تھا۔ اور جس کو اس نے ایک کتاب کی شکل میں ظاہر کیا جس کو فلسفہ ایران کی تصریح کا رجح کہ سکتے ہیں اور جس پر اسے جرمی سے ڈاکٹر کا علمی درجہ ملا۔ اس سے امداد کیا جا سکتا ہے کہ اقبال نے فارسی زبان کے انجاں میں کس حد تک دورانِ پیشی سے کام لیا ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اقبال کا بال لٹکیں سے قطعاً نہ انتہت ہوئے ہے سیاسی معاملات میں شرکیہ ہوتا اسکے لئے بھی اور قوم کیاے بھی مضر ثابت ہو گا عرصہ بہبہ ہے کہ مسلمانوں کو خدا تعالیٰ نے ایسی کتاب ہماکی ہے جس میں دینی و دنیوی دونوں زندگیوں کے ہر ہیلو کو یطریق احسن بیان کیا ہے۔ اس کے ہونے ہوئے مسلمانوں کو کسی دوسری چیز کی ضرورت نہیں رہتی۔ جیسا کہ اقبال کہتا ہے

سلتے را رفت چوں آئین ز دست مثل خاک ادنا سے او از نیگت
 ہستی مسلم ز آئین ہست دیس باطن دین نبی این ہست دلیس
 تو ہمے داتی کہ آئین تو علیست زیر کر دوس ستر نکمین تو پیشیت
 آن کتاب نندہ قرآن حیم حکمت اولایزاں ہست و قیم
 نسخہ اصرار تکوین حایت بے ثبات از تو نش گیر دشبات

لیکن اسکو سمجھنے کے نتے قابلیت درکار ہے۔ اقبال ایک مسلمان اور خالص مسلم
 ہے اور قرآن پر اس کا کامل ایکاں ہے وہ جانتا ہے کہ کوئی یا لیکس اس
 جامع دلائیں سے باہر نہیں ہو سکتا اگر نکاء حقیقت میں ہو تو اس کے
 ایک بیک حرف میں دنیا کی حکمت اور دالشوری کے ہزاروں باب دیکھی سکتی ہے
 اور یوں دیکھئے تو آج جنقدر مشاہیر اہل ادائے نظر آتے ان میں کوئی بی سے
 ہے اور کوئی بیرونی کوئی ایکم۔ اسے ہے اور کوئی ڈاکٹر مگر اپنالی بیرونی بھی ہے اور
 ایکم۔ اسے۔ پی۔ ایچ ڈی بھی ڈاکٹر بھی ہے اور سر بھی مشاعر بھی ہے اور حسیکم بھی عمل
 بھی ہے اور صوفی بھی رفارمر بھی ہے اور فلسفی بھی بحوم بھی جانتا ہے اور نسخہ
 بھی، اگر ایک طرف اقتصادیاست و معاشریات کا زیر دست ماہر ہے تو دوسرا
 طرف نہ علم نقشیات کا زیر دست استاد۔ اگر تمیم فاسقہ میں کمال رکھتا ہی
 تو فاسقہ جلدید میں بھی اس کو پیدا ہوئے حاصل ہے۔ تاریخ اسلام ہی کا حافظ
 نہیں تاریخ عالم بھی اس کو از بہتے

جس سے فائدہ دانی کو دیکھتے ہوئے جوستے جوستی دالوں نے ڈاکٹر کا علمی درج
 دیا اور جیکی ادبی کادوش کی قدر کرتے ہوئے سرکار انگریزی سنج سر کا جمیانا
 خطاب بھڑا فرمایا۔ جس کی شاعری کا یہی حال کہ داع غتنے دو ایک عنزل دیکھ کر
 رہی کم جھ لیا تھا کہ اس کا شاگرد کوئی مہموںی شرگو نہیں جس کی طبیعت داری

قابلیت اور در دل اسلام کو دیکھ کر شبیلی اور حالی جیسے مبصر قاڑی کے نئے کہ ایہ ایک فتنہ ہے اور بہت جلد فیامت بنجائے گا۔ اور جس کے شہرت کے آٹھتے ہوئے شباب کو دیکھ کر مدرس آرنلڈ جیسے استاد کو فخر تھا کہ اقبال دنیا میں بڑا اقبال بیکر آیا ہے اس کے نام کے ساتھ میر انام بھی۔ وشن ہو گا۔ سر خلیلہ مشاہیر وقت میں ہر ایک نے اس جو ہر قابل کی شخصیت کا جدیداً گانہ پیش کیا۔ میں اپنی فخر قابلیت اور رسائل فہم کے مطابق اعتراف کیا ہے۔ رہتے کم استعداد اور کچھ فہم لوگ ان کے لئے یہی کہا جاسکتا ہے کہ وشن شناس نہیں دلبر اخاطر ایسجا سکت۔

جب اقبال ایسا ہے اور فی الواقعہ ایسا ہی ہے تو انصاف فرمائیے اگر وہ اس طرف مائل ہو تو کیا سیاست کے ابیض بہار سے بہتر کوئی ددمرا شخص پارٹ کر سکتا ہے۔

لیکن چونکہ اختلاف راسے ہمیشہ اعلیٰ و افضل شخصیتوں کا جزو لامیغ کر رہا ہے اس لئے یہم کو اس قسم کی تفہاد راسے سے افسوس نہیں بلکہ یہ ہمارے خیال میں نہایت تقویت اور استحکام پیدا ہوتا اور اقبال کے بلند مرتبہ شخصیت ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

میرا یقین ہے کہ اقبال کی شہرت کا آنکاب مطلع ہو چکا ہے اور عنقرہ سمیت المراس پر لائیک ان شبکوں و شہمات کی تاریکیوں کو دور کر کے دنیا کو اپنی روشنی سے ہلکا دیکھا اور لوگوں کو ادا جار الحن د ذحق الباطل ان الباطل کا ان ذھوقا کا منظر آنکھوں سے دیکھتے میں آجائے گا۔

آخر میں ہونہار نوجوان سے نو قع ہے کہ وہ زمانہ کی نا ہمواریوں کو دیکھتے ہو میری اس محقر تالیف کو نہیں بلکہ ”علامہ اقبال“ کو اپنے لئے شمع پدایت بنانی گے۔

اس لئے کہ اس تلاذک اور شمکش کے زمانہ میں اس سے بہتر کوئی رہنا نہیں مل سکتا۔ اور اہل قلم حضرات سے اللام ہے کہ وہ انماض دھشم پوشی کو جو شایان شان بزرگ ہے کا رفرما میں کے اس لئے کہ یہ ناچیز تالیف اظہار فاصلیت اور نکالش تباہی نہیں ہے بلکہ اس جو شش عقیدت کی ادنی سی جھملک ہے جو ایک مد تھا سے میرے دل کی گھرائیوں میں موجود تھا اور آخر ضبط کی پاہر ہو کر زبان قلم سے تراویش کئے بغیر نہ رہ سکا۔ و باللہ التوفیق والمستعان

محمد ان سید محمد عبد الرشید فاضل۔

اس لئے کہ اس تلاذک اور شکنش کے زمانہ میں اس سے بہتر کوئی رہنا نہیں مل سکتا۔ اور اہل قلم حضرات سے التاس ہے کہ وہ انخاص دھشم پوشی کو جو شایاں شان بزرگی ہے کار فرمائیں گے اس لئے کہ یہ ناچیز تالیف اٹھا رفابلیت اور نکالش تنخیت نہیں ہے بلکہ اس جو شش عقیدہ بتا کی ادنی سی جھنمکھ ہے جو ایک مدعا سے میرے دل کی گہرائیوں میں موجود نہ تھا اور آخر ضبط کی باہر ہو کر زبان قلم سے تراویش کئے بغیر نہ رہ سکا۔ وبا اسرالت توفیق دالمستعان

سید محمد عبد الرحمن قادری فاضل